دانش کدہ

دانشؔ فراہی

دانشؔ کے کلام میں روایت
کے صنم کدوں کا نور ہے اور ماضی کے
مقدس آتش خانوں کی آنچ بھی ہے۔ حسن
و عشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و
انتظار کے موضوعات بہت خوبصورت
انداز میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ مگر اسی
کے ساتھ ساتھ غزل کی رزا کاری سے
فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان ناہمواریوں کا
بھی تذکرہ کیا ہے جو ہمارے معاشرے
میں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ وہ غمِ
جاناں میں اتنا الجھے ہوئے نہیں ہیں کہ
زندگی اور سماج کے جو مسائل ہیں ان پر
ان کی نگاہ نہ جائے اور نہ ہی گرد و پیش کے
مسائل میں اتنا گرفتار ہیں کہ اپنے دل
کے داغوں کی بہار نہ دکھلا سکیں۔ جہاں
انھوں نے اخلاق و معارف کے تذکرے
چھیڑے ہیں وہیں روایت کا احترام، فنی
نزاکتوں پر نگاہ اور اخلاق و معارف کے
موضوعات بھی ان کی غزل میں ابھر کر
سامنے آئے ہیں۔

پروفیسر ملک زادہ منظور

دانش کدہ

دانش فراہی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

کتاب کا نام	:	دانش کدہ
مصنف	:	دانش فراہی
اشاعت	:	۲۰۱۵ء
ناشر	:	دانش فراہی
تعداد	:	۴۰۰
قیمت	:	۱۵۰ روپے
کمپوزنگ	:	ندیم احمد (فراہی کمپیوٹرس)

ملنے کے پتے

- ریاض احمد فراہی، رام لیلا میدان، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا
- بدر بک ڈپو، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی
- صغیر بک ڈپو، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی
- محمد شاغل، A213/1، تیسری منزل، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
- ابوطلحہ اصلاحی، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Name of the Book	:	Dânish Kada
Poet	:	Dânish Farahi
Address	:	Ramleela Ground Saraimeer,Azamgarh, UP, India

یہ کتاب

اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

اس کتاب

کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں

انتساب

اپنے بچوں

فہیم احمد

ڈاکٹر وسیم فراہی

ندیم ریاض

اور

نکہت جہاں

کے نام

فہرست

۱۔	فہرست	۵
۲۔	عرض ناشر	۱۱
۳۔	تبصرہ وتعارف: پروفیسر ملک زادہ منظور احمد	۱۳
۴۔	دانش فراہی اور ان کی شاعری: محمد عمیر الصدیق ندوی	۱۶
۵۔	حرفے چند: ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی	۲۲
۶۔	پیش لفظ: محمد عمر اسلم اصلاحی	۲۸
۷۔	گنبدِ خضرا کو میں نے جب تلک دیکھا نہ تھا	۳۱
۸۔	شادابیِ گلشن کبھی کم ہونے نہ دیں گے	۳۲
۹۔	تو ہی دل کا میرے سکون ہے تو ہی دل کا میرے قرار ہے	۳۳
۱۰۔	شیشے سے زیادہ نازک تھا یہ شیشۂ دل جو ٹوٹ گیا	۳۴
۱۱۔	لمحات زندگی میں کچھ ایسے بھی آئے ہیں	۳۵
۱۲۔	عیاں کیسا ہے غم روئے حسیں سے	۳۷
۱۳۔	یہ ہے انتظار مجھ کو میں ہوں آس یہ لگائے	۳۹
۱۴۔	نہ سوچیں اہلِ خرد مجھ کو آزمانے کو	۴۱
۱۵۔	حشر اک گذرا ہے ویرانے پہ گھر ہونے تک	۴۳
۱۶۔	جلوہ اپنے رخِ زیبا کا دکھانا ہوگا	۴۴

۱۷۔	مرے ہاتھ میں ان کی تصویر ہوگی	۴۵
۱۸۔	جو نہ کہنا تھا وہ بھی بیاں ہوگیا	۴۶
۱۹۔	دیکھو ذرا تاریخ کے اوراق کہن میں	۴۷
۲۰۔	کبھی جب ہم تمہاری زلف برہم دیکھ لیتے ہیں	۴۸
۲۱۔	حسیں موسم میں کوئی زلف بکھرائے تو کیا ہوگا	۴۹
۲۲۔	پردہ اپنے رخِ زیبا سے اٹھایا نہ کرو	۵۰
۲۳۔	چلو میکدے ہی میں کچھ بات ہوگی	۵۱
۲۴۔	بناؤں گا میں دلِ حزیں کو تمہاری یادوں کا آشیانہ	۵۲
۲۵۔	آج تک سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آئی	۵۳
۲۶۔	جب جب بھی یاد آئی ہے ان کے دیار کی	۵۴
۲۷۔	نہ وہ طائروں کا جمگھٹ نہ وہ شاخِ آشیانہ	۵۵
۲۸۔	کشتی کو لگاؤں میں کس طرح کنارے پر	۵۶
۲۹۔	جب بھی سوئے ہم کھلی چھت پر حسیں برسات میں	۵۷
۳۰۔	دعا ہماری کبھی با اثر نہیں ہوتی	۵۹
۳۱۔	یوں اشک محبت میں بہایا نہیں جاتا	٦۰
۳۲۔	لہولہان ہیں ہم اور جاں بلب بھی نہیں	٦۱
۳۳۔	کچھ اپنے دور کی بھی کہانی لکھا کرو	٦۳
۳۴۔	ایک لمحہ کے لیے آئے اور آ کر چل دیے	٦۵
۳۵۔	جب وہ کوئی بول ہے بولے	٦٦
۳٦۔	وہ گیت پیار کا جو سنا کر چلے گئے	٦۸
۳۷۔	جس گھر میں تعصب کی دیوار نظر آئی	٦۹
۳۸۔	آپ جو چاہیے وہ سزا دیجیے	۷۰
۳۹۔	تو نے ہاتھوں سے دامن چھڑایا اگر	۷۱

۴۰۔ سمجھا تھا جس کو ہے یہ مری زندگی کے ساتھ ۷۲
۴۱۔ سکون اس کو ملے گا کیوں کر اسے بھلا کیا قرار ہوگا ۷۳
۴۲۔ جسے ناز حسن پر ہے اسے کیوں کسی کا ہو غم ۷۴
۴۳۔ لوگ کہتے ہیں جس کو الفت ہے ۷۵
۴۴۔ ظلم ڈھائیں نہ ہچکچائیں آپ ۷۷
۴۵۔ ڈھائیں گے دل پہ یہ ستم دیکھو ۷۸
۴۶۔ نہ پایا چین نہ آیا کبھی قرار مجھے ۸۰
۴۷۔ مضطر وہ ہو گئے جو پڑی ان کے کان میں ۸۱
۴۸۔ کس قدر اضطراب ہے یارو ۸۲
۴۹۔ یوں دیکھنے میں لگتے ہیں وہ مہربان سے ۸۴
۵۰۔ میں ترے بغیر آخر کروں کس طرح گذارا ۸۶
۵۱۔ وہ جس پہ غم کا اثر نہ ہوگا ۸۷
۵۲۔ ہر سمت قتل گاہ کا منظر ہے آج بھی ۸۸
۵۳۔ نہ جانے کیسے مرا آج اس نے نام لیا ۹۰
۵۴۔ مجھ سے محبت ہے تم کو بھی چاہے لب پہ نہ لاؤ تم ۹۱
۵۵۔ محبت میں ایسی بلاؤں نے گھیرا ۹۲
۵۶۔ گھات لگائے بیٹھا ہے اب تیرے لیے باطل اے دوست ۹۴
۵۷۔ ساگر سے بھی گہرا نکلا ۹۶
۵۸۔ اک زمانہ ہوا زخم کھائے ہوئے ۹۸
۵۹۔ تجھ سے بچھڑے ہم تو تو اے دوست یاد آیا بہت ۹۹
۶۰۔ شیشے کے اس شہر کے سارے شہری ہیں پتھر یلے ۱۰۰
۶۱۔ یہ کیسی ہوا آ گئی ناگہانی ۱۰۱
۶۲۔ برق گرنے لگی آسماں سے ۱۰۳

۶۳۔ جو خون ہر سمت بہہ رہا ہے کچھ اس کا تم پر اثر نہیں ہے ۱۰۴
۶۴۔ کل تک تو اخلاص محبت آتے تھے جتلانے لوگ ۱۰۵
۶۵۔ جو زلفوں سے تیری یہ آزاد ہوگا ۱۰۶
۶۶۔ کیا ہوئی ہے خطا یہ بتائیں ۱۰۷
۶۷۔ اس طرح حوصلہ ضبطِ غم کا زندگی بھر بڑھاتے رہیں گے ۱۰۹
۶۸۔ موجِ طوفاں ملی تیز دھارا ملا ۱۱۰
۶۹۔ دل تھا بے کیف محبت کی خطا سے پہلے ۱۱۱
۷۰۔ کل چمن تھا آج وہ صحرا ہوا ۱۱۲
۷۱۔ اودھ کی شام بنارس کی صبح تو کیا ہے ۱۱۴
۷۲۔ ہماری پُرششِ غم کو وہ آ گئے ہوتے ۱۱۵
۷۳۔ اس وقت زمانے کا دستور نرالا ہے ۱۱۶
۷۴۔ دل میں بپا اک محشر ہے ۱۱۷
۷۵۔ دیکھ کر حالت مری جب آپ مضطر ہو گئے ۱۱۹
۷۶۔ چھوڑ دو اپنی یہ تانا شاہی ۱۲۰
۷۷۔ آ جائے راس کاش تری دوستی مجھے ۱۲۲
۷۸۔ جمال و حسن کا پیکر ہو آفتاب ہو تم ۱۲۴
۷۹۔ خون سے اپنے جلا کر اک دیا لیتے چلو ۱۲۶
۸۰۔ ستم کے بعد بھی باقی کرم کی آس تو ہے ۱۲۸
۸۱۔ سوز جو سینۂ بسمل میں نہاں ہوتا ہے ۱۳۰
۸۲۔ جب اپنے مسیحا کو نہیں کوئی دوا یاد ۱۳۲
۸۳۔ کیا بتاؤں دوست مجھ کو پیار میں کیسا لگا ۱۳۴
۸۴۔ کیا تم نے کہہ دیا دلِ خانہ خراب سے ۱۳۶
۸۵۔ ابھی ماضی میں جو ناداں تھے میرے گرد قصیدہ ۱۳۸

۸۶۔ تاریکیاں بھی نور دکھاتی ہیں آج کل ۱۴۰

۸۷۔ عجیب بات ہے کہتا ہے وہ برا مجھ کو ۱۴۲

۸۸۔ کر دیجیے اک بار کبھی ہم پہ نظر بھی ۱۴۴

۸۹۔ یہ سوچنا فضول ہے کہ کس کو کیا لگے ۱۴۶

۹۰۔ آئے تھے مرے شہر کو جب لوگ جلانے ۱۴۷

۹۱۔ آنے کے لیے کہہ کر وہ گئے شاید انھیں آنا یاد نہیں ۱۴۹

۹۲۔ چند لمحوں تک نہ سمجھو میں رہوں گا منتظر ۱۵۱

۹۳۔ مجھ سے کبھی نہ اس نے کی تھی اتنی بات اکیلے میں ۱۵۳

۹۴۔ لاکھ پردے میں چھپا کر رکھ تو اپنے کو مگر ۱۵۵

۹۵۔ اکثر کرم وہ کرتے ہیں ہم پر جفا کے بعد ۱۵۷

۹۶۔ کہیں بیٹھا ہے کیا راہوں میں رہزن ۱۵۹

۹۷۔ بزعمِ خود وہ اپنے کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں ۱۶۱

۹۸۔ سنا ہے ہاتھ میں اس کے بھی جام ہے شاید ۱۶۳

۹۹۔ تیرے مے خانے میں گل کیسا کھلا ہے ساقی ۱۶۵

۱۰۰۔ دیکھا یہ حق کی راہ میں آ کر کبھی کبھی ۱۶۷

۱۰۱۔ جنوں کو ذرا مسکرا لینے دیجے ۱۶۹

۱۰۲۔ یہ ثابت ہو کیسے بھلا بے گناہی ۱۷۱

۱۰۳۔ چمن کو تو خود ہی جلاتے ہو ناصح ۱۷۲

۱۰۴۔ کوئی اور مجھ سے بیاں اب نہ لیجے ۱۷۳

۱۰۵۔ تری نظر سے جو چھلکے گلاب ہو جائے ۱۷۴

۱۰۶۔ ہمیشہ حق کی رہتی ہے اسی چہرے پہ تابانی ۱۷۶

۱۰۷۔ گذرتی جا رہی ہے جیسے شب آہستہ آہستہ ۱۷۸

۱۰۸۔ گو دل کا اپنے حال بیاں کرتے ہم نہیں ۱۸۰

۱۰۹۔ جب چلا گھر کو جلانے وہ مرے ۱۸۲

۱۱۰۔ دشمن بنی ہوئی جو مرے آشیاں کی ہے ۱۸۳

۱۱۱۔ ہم نے تمام عمر اسی کا بھلا کیا ۱۸۵

۱۱۲۔ بندھ کے ہر آس مری ٹوٹ گئی ہے یارو ۱۸۷

۱۱۳۔ جب بھی کوئی نصاب آئے گا ۱۸۸

۱۱۴۔ ذرا دیکھے تو کوئی آ کے منظر آتشِ غم کا ۱۹۰

۱۱۵۔ شاید کہ انھیں یاد مری آئی ہوئی ہے ۱۹۱

۱۱۶۔ نظامِ مے کدہ بدلے گا اے پیرِ مغاں کب تک ۱۹۲

۱۱۷۔ نویدِ صبح سناؤ بہت اندھیرا ہے ۱۹۴

۱۱۸۔ ہوا بھی نہ چھو پائی زلفوں کو تیری ۱۹۵

۱۱۹۔ مرے اشعار میں اک حسنِ تابش یوں بھی ہے یوں بھی ۱۹۶

۱۲۰۔ دنیا کی ہر کٹھنائی کو جھیلے سب ہیں ہم دونوں ۱۹۸

۱۲۱۔ میں دردِ محبت سے اکثر بے تابی میں جب روتا ہوں ۱۹۹

۱۲۲۔ زعم میں جو اپنے وہ بدگماں رہا مجھ سے ۲۰۰

۱۲۳۔ یہ حوصلہ ہے شبِ غم میں مسکرائیں گے ۲۰۱

۱۲۴۔ یہ تعصب کے شعلے بجھا دیجیے ۲۰۲

۱۲۵۔ قطعات و متفرقات ۲۰۳

۱۲۶۔ نذرانۂ عقیدت جمیلہ ریاض بنت اختر مسلمی ۲۰۸

۱۲۷۔ پسماندگانِ اختر مسلمی کے نام ۲۱۲

۱۲۸۔ استاد اختر مسلمی کی یاد میں مرثیہ ۲۱۴

۱۲۹۔ جشنِ جمہوریہ ۲۱۶

عرض ناشر

دانش فراہی

زبان وادب کی حیثیت آفاقی ہوتی ہے اسے کسی مخصوص فرقے یا سرحد تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ زبان کی ترویج وترقی میں حکومت کا اہم رول ہوتا ہے لیکن اسے زندہ رکھنے اور دوام بخشنے کا کام صرف اس سے سچی محبت کرنے اور اسے دل سے عزیز رکھنے والا ہی کرسکتا ہے۔ یہی بات اردو زبان پر بھی صادق آتی ہے، آج بھی ایسے بے شمار شعراء وادباء ہیں جو اس زبان کی بے لوث خدمت کررہے ہیں۔ محدود مواقع اور محدود وسائل کے باوجود اردو زبان کے ان غازیوں نے شہر کی چکاچوندھ اور ہنگامہ خیز زندگی سے دور آباد بستیوں میں اردو کی مشعل روشن کررکھی ہے۔

مجموعہ کلام (دانش کدہ) انھیں کوششوں کی ایک کڑی ہے۔ اس کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ قارئین کی نظر سے گذرے اور اس پر صحت مند بحث ومباحثہ ہو کیوں کہ زبان کی ترقی وفروغ کا واحد راستہ یہی ہے۔

خطۂ اعظم گڈھ علم وادب کا گہوارہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ، ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ، اقبال احمد خان سہیل، خلیل الرحمٰن اعظمی، کیفی اعظمی، شمیم کرہانی اور اختر مسلمی جیسی عبقری شخصیات پیدا ہوئی ہیں، جنھوں نے اپنے منفرد انداز سے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی اپنی شہرت کے پرچم بلند کیے۔ ان قدآور علمی وادبی شخصیات کے فن پاروں کی موجودگی میں قارئین کی توقعات بڑھ جاتی ہیں اور وہ ہر ادبی تخلیق کو انھیں کسوٹیوں پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہر ادیب کا اپنا سماجی، معاشی وسیاسی پس منظر ہوتا ہے جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ چیزیں غیر شعوری طور پر بھی اس کی تخلیقات میں در آتی ہیں۔ ادیب کا اپنا طرزِ بیاں بھی اس کی تخلیق کو دوسرے سے الگ شناخت دلاتا ہے۔

ہم ان تمام ادباء اور اسکالرس کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اپنے تاثرات کے ذریعہ دانش کدہ کی افادیت کو اجاگر کیا۔ ناسپاسی ہوگی اگر ہم خاور صدیقی اور مولانا شکیل احمد اصلاحی کا ذکر نہ کریں۔ میں اپنے صاحب زادے ندیم ریاض فراہی کا ذکر اس لیے کررہا ہوں کہ یہ مجموعہ دانش کدہ چھپ کر قارئین تک جو پہنچ رہا ہے یہ انھیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

توقع ہے کہ قارئین میری اس ادنیٰ سی کوشش کو موجودہ حقائق کی روشنی میں جانچیں اور پرکھیں گے اور غزل کا یہ مجموعہ (دانش کدہ) شاعری اور خاص طور سے صنف غزل کے طے شدہ معیار پر کس حد تک کھرا اتر رہا ہے، اپنی بیش قیمتی آراء سے ضرور باخبر کریں گے۔

ریاض احمد دانشؔ فراہی

پھریہا، اعظم گڈھ

تبصرہ وتعارف

پروفیسر ملک زادہ منظور

اس بات پر اختلاف رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ دورِ حاضر میں اردو غزل نئی جہتوں اور نئے امکانات سے آشنا ہو چکی ہے، مگر اس سے بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ جدید اردو غزل کا تاج محل جن بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے وہ فکری اور فنی سطح پر وہی ہیں جن کی داغ بیل ہمارے بزرگوں نے رکھی تھی۔ حسن وعشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و انتظار کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کی جو ناہمواریاں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں ان کی ترجمانی بھی غزل کا شیوہ رہی۔ اعظم گڈھ شعر و ادب کے حوالے سے شبلی نعمانی، اقبال سہیل، خلیل الرحمٰن اعظمی، شمیم کرہانی، کیفی اعظمی اور اختر مسلمی وغیرہ کی ادبی وشعری خدمات کے باعث ایک جانا پہچانا ادبی مرکز رہا ہے، مگر شعر و ادب کا وہ سلسلہ جو ماضی میں شروع ہوا تھا وہ آج بھی جاری وساری ہے۔ خوش فکر شعراء کرام ضلع کے مختلف علاقوں میں فکر وفن کا چراغ جلائے ہوئے ہیں جن سے بہت ہی خوبصورت روشنی پھیل رہی ہے۔

جناب دانش فراہی اعظم گڈھ سے متصل ایک قریبی موضع پھریہا کے

رہنے والے ہیں جو مولانا حمید الدین فراہیؒ کی جانی پہچانی دینی شخصیت کے باعث معروف علاقہ بن گیا اسی سے متصل سرائے میر بھی ہے جہاں مختلف ادوار میں خوش فکر شعراء کرام نے فکر وفن کے چراغ کو ہر دور میں جلائے رکھا۔ انھیں میں زیرِ نظر مجموعۂ کلام کے خالق دانش فراہی بھی ہیں جنھیں اختر مسلمی سے شرف تلمذ حاصل ہے اور جن کے کئی مجموعائے کرام شائع ہوکر منظرِ عام پر آچکے ہیں جنھیں اہلِ نظر نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور سراہا۔ دانش کے کلام میں روایت کے صنم کدوں کا نور ہے اور ماضی کے مقدس آتش خانوں کی آنچ بھی ہے۔ حسن وعشق، ناز و نیاز، ہجر و وصال اور شوق و انتظار کے موضوعات بہت خوبصورت انداز میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ غزل کی رزا کاری سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان ناہمواریوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ وہ غمِ جاناں میں اتنا الجھے ہوئے نہیں ہیں کہ زندگی اور سماج کے جو مسائل ہیں ان پر ان کی نگاہ نہ جائے اور نہ ہی گرد و پیش کے مسائل میں اتنا گرفتار ہیں کہ اپنے دل کے داغوں کی بہار نہ دکھلاسکیں۔ جہاں انھوں نے اخلاق و معارف کے تذکرے چھیڑے ہیں وہیں روایت کا احترام، فنی نزاکتوں پر نگاہ اور اخلاق و معارف کے موضوعات بھی ان کی غزل میں ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اردو غزل نئی جہتوں اور نئے امکانات سے آشنا ہوچکی ہے اور اس کے پیچھے وہ ذہن انسانی کارفرما ہے جو چاند ستاروں پر اپنی کمندیں ڈال چکا ہے۔ مگر جن بنیادوں پر غزل کا تاج محل کھڑا ہے وہ وہی مقبول عام رویہ ہے جن سے دانش فراہی نے اپنی بنیادیں تعمیر کی ہیں۔ اخلاق و معارف

کے موضوعات بھی ان کے یہاں ملتے ہیں جو انسانیت کے لیے ہر دور میں مشعلِ راہ رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ان کا کلام شائع ہوکر منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ اپنی علالت کے باعث میں نے یہ چند سطریں بول کر لکھوا دی ہیں مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ غزل کے شائقین میں ان کی یہ کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد

سیمانت نگر، کنچن بہاری مارگ
کلیان پور، لکھنؤ

دانشؔ فراہی اور ان کی شاعری

محمد عمیر الصدیق ندوی

دانشؔ کی بات ہو اور فراہی کی نسبت ہو تو ذہن و دل یوں ہی رعب وعظمت کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔ ترجمان القرآن مولانا حمید الدین نے پھریہا کی نسبت فراہی کو تقدس عطا کیا تو شاعر حمید الدین نے فراہی نسبت کو عربی و فارسی شاعری میں حرمت بخشی۔ ادبیات فارسی پر مولانا فراہی کے تفوق کے معترف علامہ شبلی ہوئے تو مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کو فارسی کا بلبل شیراز کہہ کر اعجاز کے اعجاز کی جلوہ نمائی کردی۔

دانشؔ فراہی اور ان کے مجموعہ اشعار کی گفتگو میں مولانا فراہی کا ذکر اس لیے بے محل نہیں کہ خاک کی اپنی تاثیر ہوتی ہے اور جب فیضانِ تجلی کسی خطہ پر مہربان ہو تو پھر کون جانے کون سا ذرہ چمک اٹھے۔ پھریہا کے مطلع سے ایک نیر اعظم اٹھا سب نے دیکھا اس نیر اعظم تاباں کی درخشانی بھی سب دیکھیں، اس کے لیے قدرت نے دانش فراہی کا انتخاب کیا اور تہذیب وثقافت کے تسلسل کی نشانی کے طور پر روایت کی ضرورت اور اہمیت کا سبق بھی یاد دلایا کہ اشخاص ہوں،

آبادیاں ہوں، ادارے ہوں ان میں حرکت وحرارت اسی روایت کے طفیل ہے۔

دانشؔ فراہی کی عمر ابھی ایسی نہیں کہ ان کی شاعری اساتذہ کے کلام کی روشنی میں دیکھی اور پرکھی جائے، شاعری اگر قادر الکلامی، پختہ مشقی اور پرگوئی سے عبارت ہے تو ہوسکتا ہے ان اوصاف کی کہیں کمی نظر آئے لیکن اگر یہ جذبہ وتخیل شعور واحساس کی پاکیزگی اور بالیدگی اور شعر کہنے کی ضرورت اور مقصد سے ہم آہنگ ہے تو تازہ اور نو وارد شاعر اپنی جانب نظر اور توجہ مبذول کرانے میں کامیاب ہے۔

اردو شاعری میں روایت کی پاسداری اور روایت سے بیزاری دونوں کا ظہور ہوا، اب کس کو عروج ہوا اور کون غروب ہوا زمانے نے اس کا فیصلہ ایسا کیا کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ دانشؔ فراہی کی خوش نصیبی ہے کہ ان کی متاع میں روایت کے ساتھ وراثت کی دولت بھی ہے۔ اعظم گڑھ ماضی قریب میں اخترؔ مسلمی کے فکر وفن اور ان کے مسحور کن ترنم سے سرشار تھا، وہ تغزل کے مزاج شناس اور مزاج داں تھے، صاف ستھرا واضح اور کھلا ذوق، تخیل کی بلند پروازی، زبان کی لطافت، بیان کی سلاست یہ ان کے کلام کی ایسی خوبیاں تھیں کہ بڑے بڑے نکتہ دانوں نے اعتراف کیا، جناب دانش فراہی کو وراثت میں یہ خوبیاں حاصل ہوئیں انھوں نے اسی مجموعہ کلام میں کہیں اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

اس مجموعہ میں غالب ترین حصہ غزلوں کا ہے، متعدد تو وہ ہیں جو کسی مصرعہ طرح پر کہی گئیں، ان سے شاعر کی مشاقی اور بحر خیالی میں خود اپنی موجوں کے اچھال کو ظاہر کرتی ہیں۔ غزل کے ظاہری یا لغوی معنی یا تشریح کا پابند نہ ہوا

جائے تو مجاز کے پردے میں حقیقت سے گفتگو ان غزلوں کی جان ہے۔ داخلیت اور خارجیت، نئی فکر کی اصطلاحیں ہیں۔ سچائی تو بس یہی ہے کہ دل کی کائنات کے تمام محسوسات کا اظہار خارج کی دنیا سے ہم آہنگ ہوئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ مشاہدۂ حق کی گفتگو بادہ وساغر کے بغیر بامعنی و باا ثر ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی اس مجموعہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ شعر کا اثر قاری اور سامع کی صلاحیت قبول پر موقوف ہے، لیکن بعض شعر خود نگاہ و دل سے کچھ دیر ہی کے لیے سہی رکنے پر مجبور کردیتے ہیں۔

پوچھ لے آ کے حالِ دل میرا
اس زمانے میں کس کو فرصت ہے

....

گلستاں بھی تو جائے اماں اب نہیں
اب تو صیاد خود باغباں ہوگیا

....

جو کل خواب دیکھا تھا میں نے خوشی کا
خدا جانے کیا اس کی تعبیر ہوگی

....

دو اشک محبت کے گرنے بھی نہیں پائے
افسانہ بنا ڈالا افسانہ نگاروں نے

....

واللہ بڑی شے ہے تنکے کا سہارا بھی
اک آس بندھا دی ہے پلکوں کے اشاروں نے

....

میں کیا بتاؤں ترے غم میں کیا گزرتی ہے
وہ کون لمحہ ہے جب آنکھ تر نہیں ہوتی

....

یہ راز محبت بھی عجب راز ہے یارو
ہم لاکھ چھپاتے ہیں چھپایا نہیں جاتا

....

شاید آجائے بیمارِ غم ہوش میں
آپ دامن کی اپنے ہوا دیجیے

....

ترے جانے کی کیوں کریں پروا
دل ہمارا اگر سلامت ہے

....

مری تباہی کو کافی ہے اک نگاہ کرم
نہ دیکھ چشمِ غضب سے تو بار بار مجھے

....

دور خزاں بھی دل سے فراموش ہوگیا
اب کے برس بہار نے وہ گل کھلائے ہیں

....

ان کا مقام کم نہیں لات و منات سے
لوگوں نے خواہشات کے جو بُت بنائے ہیں

صاف ہے کہ غم جاناں اور غم دوراں دونوں بہم ہیں۔ شاعر کی اپنی دنیا باہر کی دنیا سے الگ نہیں اس کو اپنے احساسات کے بارے میں یقین ہے کہ وہ سچ کی زمین سے ابھرے ہیں اس لیے ان کو خاروخس سمجھنا صداقت کو ٹھیس پہنچانا ہے۔

دل مرا صاف آئینہ کی طرح
ایک سادہ کتاب ہے یارو

اس کے بعد یہ انداز کیا نرالا اور تیکھا ہے۔

میں ہوں ناکام عشق میں لیکن
کیا کوئی کامیاب ہے یارو

واردات قلب کا عالم یہ ہے کہ۔

مت پوچھو کیا دل پر گذری
چہرہ اترا دیکھا اس کا

غزلوں پر غزلیں ہیں، کچھ طویل بحر میں اور کچھ اس کے برعکس۔ چھوٹی بحروں میں زیادہ روانی اور سلاست ہے غالباً اسی لیے ان کی تاثیر بھی زیادہ ہے۔

پہلے عرض کیا گیا کہ شاعر کی عمر کچھ زیادہ نہیں غالباً یہ ان کی پہلی پیش کش

ہے، لیکن یہ داد طلب ضرور ہے اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکیزگی خیال کی یہ شاعری مستقبل میں زیادہ پختہ، زیادہ خوش رنگ اور زیادہ نفع بخش ہوکر روایت و وراثت کا زیادہ عمدہ نمونہ اور اردو کے سرمایہ میں ایک خوش گوار اضافہ ہوگی۔ اس لیے اس دانش کدہ کی سیر ضروری ہے۔

محمد عمیر الصدیق ندوی
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

حرفِ چند

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی

دانش فراہی دراصل سرزمین اعظم گڑھ کے ابھرتے ہوئے قادر الکلام شاعر اور استاد الاساتذہ اخترؔ مسلمیؒ کے بھتیجے اور شاگرد ہیں۔ اخترؔ مسلمی کا مجموعۂ کلام ماضی قریب میں کلیاتِ اخترؔ مسلمی کے نام سے شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکا ہے، جسے ان کے نواسے فہیم احمد نے 'نام نیک رفتگاں ضائع مکن' کے پیش نظر مرتب کرکے اربابِ نظر کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

دانش فراہی کا فنی ذوق بہت بلند ہے۔ ان کے شعری مجموعہ 'دانشکدہ' میں ایک نظم 'جشن جمہوریہ' ایک مرثیہ بیاد اخترؔ مسلمی مرحوم، کے علاوہ کم و بیش سو غزلیں اور چند قطعات شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا نام ''دانش کدہ'' اسم بامسمیٰ ہے، کیوں کہ اس میں شاعری کی وساطت سے عشق و محبت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی مسائل بھی بڑی خوبی سے اجاگر کیے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں شاعر کا مزاج غزلیانہ ہے اور انھوں نے روایتی غزل کا بھرپور لحاظ رکھا ہے، ان کے اندر نظم گوئی کی بھی بھرپور صلاحیت موجود ہے، یہ اور بات ہے کہ مشقِ سخن کے لیے موصوف

نے غزل کا انتخاب بطور خاص کیا ہے۔

اردو کے ایک نامور نقاد نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہہ کر اسے خراج پیش کیا ہے۔ اردو کے ایک اور مشہور ناقد نے اسے نیم وحشی صنف سخن قرار دیا ہے، جو دراصل ناقد کی غلط اور منفی سوچ کی غمازی کرتا ہے۔ بہرحال یہ دو انتہائیں ہیں۔ میرے نزدیک نرم دلنشیں الفاظ، سچے اور گہرے دلی جذبات، ذاتی غم کو کائنات کا غم بنا دینے کا انداز اور سلیس زبان کے استعمال کا نام غزل ہے۔ یہ سب خصوصیات ایسے افراد کے رنگ و آہنگ کی نشاندہی بھی کرتی ہیں جو سچا شاعر ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دانش فراہی ایسے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جو ان کے ذہن و دماغ اور واردات قلب کا صحیح عکس ہے۔ ان کے کلام میں اتنی سادگی ہے، جیسے ہم اپنی ہی بات کر رہے ہوں۔

دانش فراہی کا یہ اولین مجموعۂ کلام رومانیت سے عبارت ہے، جس میں حسن و عشق کی کسک اور معاملات کو بڑے خوبصورت انداز میں جزو شاعری بنایا گیا ہے۔ رومانی شاعری کے شائقین کے لیے یہ مجموعہ یقیناً ارمغان ثابت ہوگا۔ چند مثالیں پیش ہیں:

یہی راز محبت ہے جو سمجھے
کہ ہاں ظاہر ہے ان کے اس نہیں سے

....

مہ و انجمِ درخشاں سبھی ہوگئے فسردہ
تو کہاں نکل پڑا ہے یہ نقابِ رخ اٹھائے

وارداتِ قلب بیان کرتے وقت رمزیت و اشاریت نیز استعارے کا نیا انداز اور پھر منظر کشی دانؔش کے کلام میں بھرپور رعنائیاں بکھیر رہے ہیں۔

واللہ بڑی شے ہے تنکے کا سہارا بھی
اک آس بندھا دی ہے پلکوں کے اشاروں نے

....

جب بھی سوئے ہم کھلی چھت پر حسیں برسات میں
درد لے کر سیکڑوں یادیں اٹھیں برسات میں

دانش فراہی کی شاعری میں احساسِ ذات اور دردِ انا پورے کمال و جمال کے ساتھ موجود ہے:

تو مجھے تباہ کردے تو مرا نشاں مٹا دے
نہ کروں گا میں گوارہ مگر اپنا سر جھکانا

انھوں نے چہرے کی تابانی کو حق گوئی و بیباکی کا استعارہ قرار دیا ہے۔

ہمیشہ حق کی رہتی ہے اسی چہرے پہ تابانی
کبھی جھکتی نہیں ہے غیر کے آگے جو پیشانی

دانؔش کی سیاسی بصیرت کا اندازہ حسب ذیل اشعار سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جسے آج کے سیاسی تناظر میں موزوں کیا گیا ہے۔

اسیر کرکے قفس میں مجھے یہ حیرت ہے
وہ کہہ رہے ہیں مجھی سے چمن بچانے کو

سلوک اہلِ چمن سے یہ باغباں نے کیا
قفس سمجھنے لگے ہیں سب آشیانے کو

....

قسمت میں ہے جب قیدِ قفس ہی تو ہم نشیں
اب داستاں نہ چھیڑ تو فصلِ بہار کی

....

قفس کے ٹوٹنے کے بعد تو آزاد ہیں ہم بھی
چمن میں کیوں کرے دانشؔ تمہاری کوئی نگرانی

اس شعر میں جس معنیٰ خیز انداز میں ایک تلخ حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا کوئی جواب نہیں، کیوں کہ ملک کی اقلیت صبحِ آزادی طلوع ہوتے ہی غیر محفوظ ہوگئی اور یہاں کا منظر نامہ تبدیل ہونا تو درکنار، اور ابتر ہوتا جا رہا ہے۔

زاہد و ناصح کے ساتھ زندگی کی کشمکش بھی ان کے کلام میں موجود ہے ؎

کیا فرشتہ صفت آیا ہے کوئی آج یہاں
حشر میخانے میں جو اتنا بپا ہے ساقی

....

نظر اپنے دامن پہ جاتی نہیں ہے
مرا دامنِ تر دکھاتے ہو ناصح

واقعۂ معراج کی طرف لطیف اشارہ ؎

وہاں سے جا کے واپس آ چکے ہیں ہم بہت پہلے
جہاں پر آج تک پہنچی نہیں ہے فکرِ انسانی

اپنے استاد اخترؔ مسلمی مرحوم کی رحلت پر جو مرثیہ لکھا ہے اس سے ان کے داخلی کرب کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ؎

اہلِ سرائے میر ہیں مغموم کس لیے
جو اس کا اصل گھر تھا اسی گھر چلا گیا

دار الفنا سے دار البقا کے سفر کو اس سے بہتر انداز میں کیسے پیش کیا جا سکتا تھا۔

خدا ترس انسان عمر کے آخری پڑاؤ پر بالعموم رجوع الی اللہ ہو جاتا ہے، وہ اپنی خطاؤں پر نادم اور رحمتِ الٰہی کا ملتجی ہو جاتا ہے۔ اس کے پندار کا بت چکنا چور ہو جاتا ہے تاہم یہ کیفیت ان خوش نصیبوں کی ہوتی ہے جو اللہ کے رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ عرفانِ محبت ہر ایک کا مقدر نہیں ہوتا۔

ایک شعر میں اخترؔ مسلمی مرحوم کے گریہ و زاری کا منظر انتہائی فطری اور سادہ انداز میں پیش کیا ہے ؎

دربارِ ایزدی میں جھکا کر سرِ نیاز
دیکھا ہے میں نے روتے تھے اخترؔ کبھی کبھی

اس امر کے وضاحت کی ضرورت نہیں کہ دو قطرے اللہ رب العزت کو بے حد عزیز ہیں، ایک وہ قطرۂ خوں جو اللہ کے راستے میں نکلے، دوسرے وہ قطرۂ اشک جو خشیتِ الٰہی میں نکلا ہو۔ اس سے دانشؔ کے وسعتِ مطالعہ اور دینی شعور کا بھی پتہ چلتا ہے۔

حسب ذیل اشعار ان کی فنی عظمتوں کے غماز ہیں، یہ خودستائی ہی نہیں تحدیثِ نعمت بھی ہے ۔

یوں تو سارے شہر میں ہے دھوم میرے فن کی آج
دیکھیے کیا گل کھلاتا ہے مرا رنگِ ہنر

....

شہرِ سخن میں دوستو دانشؔ کو دیکھیے
ملتے ہیں ایسے قیمتی گوہر کبھی کبھی

امید کہ ”دانشکدہ“ کی ارباب علم و دانش کے حلقوں میں بھرپور پذیرائی ہوگی نیز اس ہونہار شاعر کا ذہن وقلم اسی طرح خوب سے خوب تر کی جستجو میں پیش رفت جاری رکھے گا اور اردو کے شعری ادب میں گراں قدر اضافہ کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر خورشید احمد شفقت اعظمی
نئی دہلی
۷/اپریل، ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

محمد عمر اسلم اصلاحی

شاعری کا تعلق شعور سے ہے۔ جس کا شعور پختہ نہ ہو وہ تک بندیاں تو کرسکتا ہے، مشاعروں میں واہ واہی بھی لوٹ سکتا ہے لیکن شاعر نہیں ہوسکتا، اور جس کا شعور پختہ ہو وہ تعلیمی ڈگریوں سے محرومی کے باوجود شاعر ہوسکتا ہے۔ بس اسے اپنے شعور کو کام میں لانے اور اپنے خیالات کو موزوں الفاظ کے سانچے میں خوبصورتی کے ساتھ ڈھال دینے کا ہنر آنا چاہیے۔ یہ ہنر ذوق کا طالب اور شوق و توجہ کا متقاضی ہے۔ ذوق ہو تو شوق پیدا ہوجاتا ہے اور شوق ہو تو توجہ خود بخود ہوجاتی ہے۔ جناب ریاض احمد دانشؔ فراہی کے اندر شعراء کے کلام کا مطالعہ وتتبع کے نتیجہ میں ذوق نوعمری ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ اس لیے وقت گذرنے کے ساتھ ان کے اندر اپنے خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کا شوق بھی انگڑائی لینے لگا۔ لیکن اس کی جانب باقاعدہ توجہ غالباً اس وقت ہوئی جب ایک مستند اور استاد شاعر نے اپنے بھتیجے دانشؔ فراہی کی طرف توجہ کی یعنی ”اخترؔ مسلمی“۔ اخترؔ مسلمی مرحوم نے ان کا حوصلہ بڑھایا، ان کے اشعار کی اصلاح کی اور ان کو ایک خاص

رخ دیا۔اس طرح ان میں نکھار بھی آیا اور خوداعتمادی بھی پیدا ہوئی۔

دانشؔ فراہی کی اصل جولان گاہ غزل کی دنیا ہے۔تغزل ان کی شناخت ہے لیکن ان کا محبوب غزل کے تمام شعراء کی طرح کوئی خیالی محبوب نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے۔ان کی شاعری کا مرکز ومحور ان کی شریکِ حیات ہیں۔اس لیے ان کے خیالات میں پاکیزگی، جذبات میں تقدس، احساسات میں خوشبو اور اظہار و مدعا میں سچائی اور بے تکلفی نمایاں ہے۔دانشؔ فراہی بھاری بھرکم الفاظ، پُر پیچ تراکیب اور ثقیل اسلوب سے یکسر گریز کرتے ہیں۔سہل ممتنع کے قائل ہیں۔اسی لیے ان کی شاعری میں سادگی، روانی، بے ساختگی اور برجستگی ہے۔ان کے کلام کو سمجھنے کے لیے کسی بڑے ذہنی ریاض کی ضرورت نہیں ہے۔انھوں نے خود سارا ریاض کر کے ہر سطح کے لوگوں کے لیے اپنی شاعری سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔ایسا کیوں نہ ہو، ان کا تخلص جو دانشؔ اور نسبت فراہی ٹھہری۔

دانشؔ فراہی کی شاعری میں محبت کا درد بھی ہے اور نفرت کی لذت بھی۔غمِ جاناں بھی ہے اور نشاطِ غم بھی۔اربابِ اقتدار کی زیادتیوں کا ذکر بھی ہے اور عوام الناس کی بے حسی کا ماتم بھی۔اپنوں کی ستم رعنائیوں کا گلہ بھی ہے اور غیروں کی عنایات کا بیان بھی، لب ورخسار کی باتیں بھی ہیں اور گل وبلبل کی داستان بھی۔وہ ایک شاعر ہیں اور مناظر فطرت پر اسی پہلو سے نگاہ بھی ڈالتے ہیں اس لیے انھیں زندگی کے تمام شعبوں اور کائنات کے تمام گوشوں میں عبرت کے سامان بآسانی مل جاتے ہیں۔پھر جو کچھ وہ پاتے ہیں حسین شعری قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔

دانشؔ فراہی نے اپنی شاعری کے لیے جن بحروں کا انتخاب کیا ہے وہ سب

بجتی اور گنگناتی بحریں ہیں۔میں نے تو خود کبھی انھیں ترنم سے پڑھتے نہیں سنا ہے لیکن یقین ہے انھیں اخترؔ مسلمی کی سحر انگیز اور ترنم ریز آواز نے نغمگیں بحروں کے انتخاب کے لیے مہمیز کیا ہوگا۔

کسی شاعر کا اصل تعارف اس کے اشعار ہوتے ہیں۔اس لیے میں ان کے کلام اور آپ کے درمیان مزید حائل نہیں رہنا چاہتا۔لیجیے خود پڑھیے اور شاعر کا مقام ومرتبہ متعین کیجیے۔

محمد عمر اسلم اصلاحی

استاذ مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

۹؍مارچ ۲۰۱۴ء

Thank You for previewing this eBook

You can read the full version of this eBook in different formats:

- HTML (Free /Available to everyone)
- PDF / TXT (Available to V.I.P. members. Free Standard members can access up to 5 PDF/TXT eBooks per month each month)
- Epub & Mobipocket (Exclusive to V.I.P. members)

To download this full book, simply select the format you desire below

Free-Ebooks.net